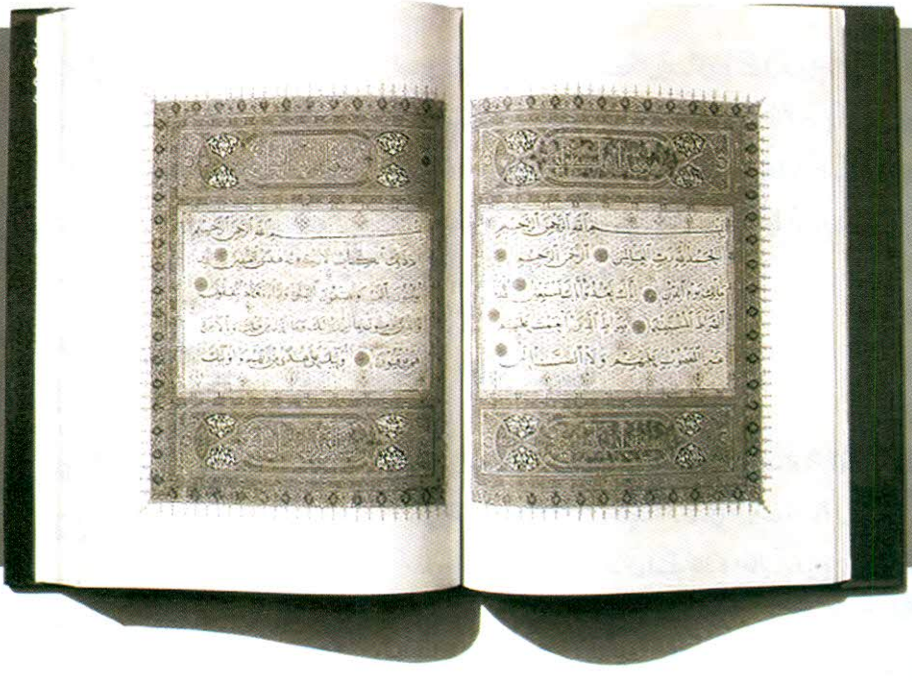

اوامر ونواہی کے احکام کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ وہ تعداد میں بہت تھوڑے ہیں۔اور جو ہیں، وہ بھی غیر ضروری تفصیلات سے مبرا ہیں،اسی لیے ہر ایک کے لیےان پر عمل کرنا آسان ہے۔

نفاذ شریعت کے قرآنی اُصول

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

دورِ رسالت مآب ﷺ میں نزول شریعت اور نفاذ شریعت میں کوئی بعد نہ تھا۔ ہر امرِ شریعت اپنے نزول کے ساتھ ہی نافذ العمل ہو جاتا تھا۔مگر یہ نفاذ ابتداءً (مکی زندگی میں) انفرادی سطح پر تھا۔ جو بعد میں (مدنی زندگی میں) ریاستی نوعیت کا حامل ہو گیا تھا۔البتہ شریعت کے نزول و نفاذ میں تدریج کا پہلو غالب رہا۔قرآن مجید کی شکل میں نازل ہونے والی شریعت انسانوں پر خدا کی ایک ایسی عظیم نعمت ہے جس سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ اسے سمجھا جائے اور فردی و ریاستی ہر دو سطحوں پر اسے نافذ کیا جائے' جو اس کا مقصد نزول بھی ہے۔ جب تک نزول شریعت اپنے مقصد سے ہم آہنگ نہیں ہوگا معاشرے میں کسی خیر و خوبی اور برکات و حسنات کا پیدا ہونا امر محال ہوگا۔

قرآن کریم کے مطالعے سے نفاذ شریعت اور اسلامی قانون سازی کے جو چند قرآنی اصول سامنے آتے ہیں، ہم اس مضمون میں بیان کریں گے اور ان اصولوں کی روشنی میں واضح کریں گے کہ یہ شریعت ہمارے لئے سراسر رحمت ہے اور اس کی روشنی میں جو بھی قانون سازی ہوگی وہ بھی رحمت و برکت سے معمور ہوگی۔ شریعت میں آسانیاں رکھی گئی ہیں۔ بایں سبب وہ سب کے لئے یسیر التعمیل ہے۔یعنی اس پر عمل کرنا آسان ہے۔ہمیں اپنی روحانی، اخلاقی اور مادی ترقی کے لئے اس پر عمل کرنا چاہیے۔

اصول تنظیم

نفاذ شریعت میں تنظیم کا اصول نبیادی حیثیت رکھتا ہے۔ نظم کے بغیر شریعت کا نفاذ ناممکن ہے۔ کیونکہ قوت نافذہ، اپنے اثر و نفوذ میں تنظیم کی محتاج ہے، نفاذ شریعت کی دو جہتیں ہیں۔ ایک انفرادی اور دوسری سماجی ۔ نفاذ شریعت فقط انفرادی عمل نہیں بلکہ ایک اجتماعی (سماجی) عمل بھی ہے۔ اور اچھا سماج بغیر نظم کے قائم نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ نفاذ شریعت میں اس ''اصول'' کا قیام خود شریعت کا بنیادی تقاضا ہے۔آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا تھا۔

واخفض جناحک للمومنین (الحجر/۸۸)   مسلمانوں کے لیے اپنے بازوؤں کو جھکائے رکھیئے۔

گویا انہیں اپنے بازوؤں میں سمیٹ کر رکھیئے۔ انکی تہذیب و تربیت کیجیئے ۔ ظاہر ہے کہ یہ کام تنظیم سازی کا متقاضی تھا۔ چنانچہ

آپ ﷺ نے مومنوں کو مطلوبہ نظم کا پابند کیا۔ اور انفرادی طور پر انہیں نفاذ شریعت کا محمل بنا دیا تاکہ بانظم اور مربوط افراد کی بتدریج کثرت سے معاشرے میں باقاعدہ ریاست کی شکل میں کوئی تنظیم قائم ہو سکے اور وہ احکام، جو بغیر نظم عامہ کے قائم و نافذ نہیں ہو سکتے تھے۔ نافذ ہو سکیں۔ اصول تنظیم کی ضرورت و اہمیت ذیل کی آیت سے بھی واضح ہوتی ہے۔

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰة واتوا الزکوٰة وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر (الحج/۴۱)

”یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔“

گویا نفاذ شریعت کا مقصد لوگوں کو اس نظام سے وابستہ کرنا ہے، جو خدا کے حضور جھکنے والا ہو، یعنی خدا کے نازل کردہ احکام کی اطاعت کا پابند ہو اور جو معاشرے کی نشوونما اور اس کے ارتقاء کے عمل میں ہمہ وقت مصروف جدوجہد ہو اور جو

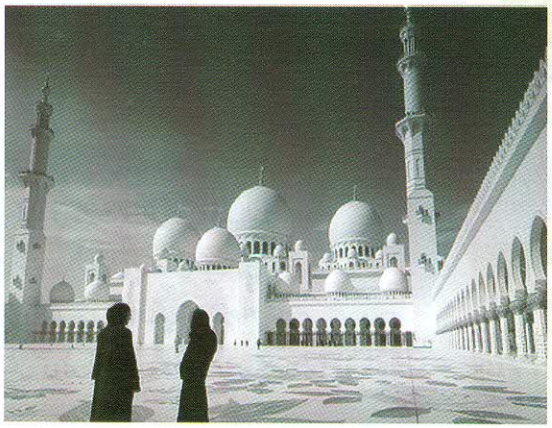

اچھی باتوں کے قوانین جاری کرتا ہو اور بری باتوں کو روکنے کی قوت رکھتا ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ سارے کام اس وقت تک نہیں ہو سکتے۔ جب تک نظام اقتدار اچھے اور باصلاحیت لوگوں کے ہاتھ میں نہ ہو، یہ رتبۂ عظیم کسی بھی قوم کو بغیر تنظیم کے حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی بغیر تنظیم کے قائم رہ سکتا ہے۔ اس لیۓ نفاذ شریعت میں اصول تنظیم کی حیثیت مرکزی و محوری نوعیت کی ہے۔

حصول قوت کا اصول

نظم عامہ کی حفاظت کے لیے شریعت نے ”حصول قوت کا اصول“ بھی دیا ہے۔ یہ وہ اصول ہے جو نفاذ شریعت کے قیام کے بعد اسکی بقاء و استحکام کی ضمانت مہیا کرتا ہے۔

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم. (الانفال/۶۰)

اور ان کے مقابلے کے لیۓ تم سے جس قدر بھی ہو سکے (تدبیر اور حکمت عملی کی) قوت مہیا رکھا اور (نظریاتی وجغرافیائی) سرحدوں کی حفاظت پر کمربستہ رہو۔ اس (دفاعی تیاری) سے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو ڈرا سکو گے۔ یہ اصول تنظیم کے اصول' کا لازمی نتیجہ ہے۔ کیونکہ ہر تنظیم اپنے قیام و بقاء اور دوام و استمرار میں قوت کی طلب گار ہے۔

اصول تدریج

نزول شریعت میں تدریج کے اصول کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ جو بشری تقاضوں اور انسانی نفسیات کے عین مطابق ہے۔ اگر ساری شریعت، انسانوں کو یکدم عطا کر دی جاتی اور نزول کے ساتھ ہی اسکے نفاذ کا مطالبہ کر دیا جاتا تو یہ خلاف فطرت ونفسیات ہوتا اور انسانی معاشرہ اسے قبول کرنے سے قاصر ہوتا۔ کیونکہ شریعت کوئی ایسی چیز نہیں کہ جسے بغیر سوچے سمجھے نافذ کر دیا جائے۔ لا اکراہ فی الدین (البقرۃ ۲:۲۵۶) کا اعلان کرنے والی اور غور وفکر کی دعوت برپا کرنے والی شریعت کے نفاذ کا ۔۔۔ یکدم مطالبہ، بجائے خود اس شریعت کی روح کے خلاف ہوتا۔

قرآن مجید، انسانی نفسیات کے مطابق ایسی الہامی کتاب ہے جس میں احکام الٰہیہ کے نزول میں تدریج کے پہلو کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ صرف حرمتِ ربٰو یا حرمت خمر کی مثالیں ہی اس کی دلیلیں نہیں ہیں۔ بلکہ پورا قرآن ہی اپنی حقیقت میں اسی تدریج کی نہایت عمدہ مثال ہے۔ شریعت چونکہ سوسائٹی کے لیے ہوتی ہے۔ اس لیے سوسائٹی کی ساخت اور اس کی نفسیات کا لحاظ بھی اسے درکار ہوتا ہے۔ نیز نزول احکام میں سوسائٹی کی مجموعی حالت اور ارتقائی امکانات کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ تاکہ معاشرہ تدریجی مراحل طے کرتے ہوئے بہتری کی طرف گامزن ہو سکے۔ جیسے کسی بیمار کا علاج معالجہ بدلتی دواؤں اور غذاؤں کے تدریجی ارتقاء کے ساتھ ہی اسے مبدل بہ صحت کرتا ہے۔ اسی طرح روحانی طور پر بیمار قوم کا علاج بھی وقت کے تقاضوں اور مصلحتوں کے تدریجی ارتقاء کے بغیر ناممکن ہے۔ پس نفاذ شریعت میں تدریج کے اصول کو ملحوظ رکھنا، انسانی نفسیات کا عین تقاضا ہے۔

اصول تیسیر

قرآن مجید اپنے اظہار و بیان میں بطور تفہیم کے بہت آسان ہے۔ اسکا ہدایت بھرا ناصحانہ انداز اپنے اندر عجیب کشش رکھتا ہے۔ اس نے انبیائے ماسبق کے واقعات کے ضمن میں اپنے آسان ہونے کا چار مقامات پر ذکر کیا ہے جو کہ یہ ہیں۔

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کامیابی اور کفار کی ناکامی کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے کہا

ولقد یسرنا القراٰن للذکر فھل من مدکر (القمر/۱۷)

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کیا ہے۔ تو کیا کوئی ہے؟ جو نصیحت حاصل کرے

۲۔ قوم عاد کی ہلاکت کے بعد بھی بطور تبصرہ یہی کہا۔ (القمر/۲۲)

۳۔ پھر قوم ثمود کی بربادی کے بعد یہی تبصرہ کیا۔ (القمر/۳۲)

۴۔ اور قوم لوط کی تباہی کے بعد بھی یہی فرمایا

ولقد یسرنا القراٰن للذکر فھل من مدکر (القمر/۱۷)

غرض سورۂ قمر میں ولقد یسرنا القرآن للذکر ... کے الفاظ چار مرتبہ ۔۔۔ اور فھل من مدکر ... کے الفاظ چھ مرتبہ لائے گئے ہیں۔ بحیثیت مجموعی پورے قرآن کو از روئے تفہیم آسان قرار دینا اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ شریعت میں آسانی کو اساسی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن کا قابل فہم ہونا، بجائے خود اس امر کو لازم کرتا ہے کہ قرآن سے اخذ و استفادہ کرتے وقت آسان پہلوؤں کو اولیت حاصل ہو۔ وگرنہ قرآن ''عسیر الفہم'' بن جائے گا۔

قرآن کا آسان ہونا ذیل کی آیات سے بھی واضح ہے۔

(الف) فانما یسرنٰہ بلسانک لتبشر بہ المتقین وتنذر بہ قوما لدا (مریم/۹۷)

پس ہم نے اسے (یعنی قرآن کو) آپ کی زبان میں آسان کردیا ہے تاکہ آپ اسکے ذریعے، جہاں متبعین کو کامیابی کی خوشخبری سنا سکیں، وہیں اسکے ذریعے، جھگڑا کرنے والوں کو ناکامی کی وعید بھی سنا سکیں۔

(ب) فانما یسرنٰہ بلسانک لعلھم یتذکرون. (الدخان/۵۸)

سو ہم نے اسے آپ ہی کی زبان میں آسان کردیا ہے۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

(ج) ونیسرک للیسریٰ فذکر ان نفعت الذکریٰ. (الاعلیٰ/۸۔۹)

اور ہم آپ کو آسان راستے کی سہولت فراہم کریں گے۔ پس آپ نصیحت کرتے رہیئے۔ نصیحت یقیناً نفع بخش ہوتی ہے۔

اس آیت میں نفاذ شریعت کو آسانی اور سہولت کے عمل سے وابستہ کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ نفاذ شریعت کے لیے خدا کی طرف سے ایسے اسباب مہیا ہو جائیں گے کہ لوگوں کا اس پر چلنا آسان ہو جائے گا۔ اور اس راہ میں حائل تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں گی۔ آیت مذکورہ میں جہاں نفاذ شریعت کے آسان ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہیں خود شریعت کے آسان ہونے کا بیان بھی آپ سے آپ موجود ہے۔ اس لیے آیت کی تفسیر دونوں طریق سے کی گئی ہے۔

اب آیئے! اسلامی قانون سازی کے لیئے قرآنی ''اصول تیسیر'' کی طرف، اور دیکھیئے کہ اس ضمن میں وہ ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے۔

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (البقرہ/۱۸۵)

اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے، دشواری نہیں چاہتا

اوامر و نواہی کے احکام کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ وہ تعداد میں بہت تھوڑے ہیں۔ اور جو ہیں بھی تو وہ غیر ضروری تفصیلات سے مبرا ہیں، اسی لیے ہر ایک کے لیے یسیر التعمیل بھی ہیں۔ قرآنی احکام سے استخراج واستنباط مسائل کے باب میں اس اصول کو شدت سے ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ ہر زمانے کے اجتہادات ۔۔۔ صبح قیامت تک ۔۔۔ مطابق منشائے قرآن ہونے کے سبب، یسیر التعمیل ہو سکیں اور شریعت کا دعویٰ یُسر، ہر دور میں واضح ہو سکے۔

شریعت کے آسان ہونے کے چند حوالے ذیل میں ملاحظہ کیجیئے۔

سورۂ مزمل میں کہا گیا

ان ربک یعلم انک تقوم ادنیٰ من ثلثی الیل ونصفہ وثلثہ وطائفۃ من الذین معک ط واللہ یقدر الیل والنھار ط علم ان لن تحصوہ فتاب علیکم فاقرؤا ما تیسر من القراٰن ط علم ان سیکون منکم مرضیٰ لا واٰخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ لا واٰخرون یقاتلون فی سبیل اللہ صلے ز فاقرء وا ما تیسر منہ. (المزمل/۲۰)

بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ کبھی دو تہائی شب کے قریب اور کبھی نصف شب اور کبھی ایک تہائی شب کے قرین قیام کرتے ہیں اور ان لوگوں کی ایک مختصر جماعت بھی آپ کے ساتھ اس عبادت میں شریک رہتی ہے، جو آپ کے صحابہ ہیں۔ اور اللہ ہی نے رات اور دن کا قانون بنایا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ (اے مومنو!) تم ہرگز اسکی حفاظت نہ کرسکو گے۔ پس اس نے تم پر (اصول تیسیر کے تحت) رحم کیا۔ چنانچہ جس قدر آسانی سے ممکن ہو، قرآن پڑھ لیا کرو، اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم میں سے بعض بیمار ہوں گے اور دوسرے وہ جو زمین میں سفر کریں گے، تاکہ اللہ کا فضل تلاش کریں، اور بعض وہ جو اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے، سو جتنا آسانی سے ہو سکے، اتنا ہی پڑھ لیا کرو۔

اس آیت میں قیام لیل کے حکم وجوبی کو ''اصول تیسیر'' کے مطابق، علیٰ حسب استطاعت، نرم کردیا اور اس طرح حکم وجوبی ''یسیر التعمیل'' ہو گیا۔ واضح رہے کہ اس حکم میں بیماری، سفر، اور جہاد، بطور عذر بیان کیے گئے ہیں

حج کے بعض احکام بھی اسی اصول تیسیر کی روشنی میں دیکھیے

واتموا الحج والعمرة للہ ط فان احصرتم فما استیسر من الھدی (البقرہ/۱۹۶)

اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو۔ پھر اگر تم (حالت جنگ کی وجہ سے) روکے جاؤ تو جو کچھ قربانی آسانی سے میسر آئے (خانہ کعبہ بھیج دیا کرو)

فاذا امنتم فمن تمتع بالعمرة الی الحج فما استیسر من الھدی فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام فی الحج وسبعة اذا رجعتم تلک عشرة کاملہ ط ذلک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام. (البقرہ/۱۹۶)

پھر جب تم حالت امن میں ہو، تو جو کوئی بھی عمرے کو حج کے ساتھ ملانے کا فائدہ اٹھائے تو جو بھی قربانی میسر آئے (کردے) پھر جسے یہ بھی میسر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے وہیں (مکہ میں) رکھے اور سات اس وقت رکھے، جب حج سے واپسی ہو۔ اس طرح یہ دس روزے مکمل ہوں گے۔ یہ سہولت اور آسانی اس کے لیے ہے جس کے اہل وعیال حدود حرم کے رہائشی نہ ہوں (یعنی جو مکہ کا رہنے والا نہ ہو)۔

آپ نے دیکھا کہ مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں قربانی کو تیسیر (آسانی) سے منسلک کیا گیا ہے۔ اور عدم تیسیر کی صورت میں عازم مکہ کو یہ سہولت دی گئی ہے کہ وہ دس روزے رکھ لے اور سہولت در سہولت یہ کہ تین روزے مکہ میں اور باقی کے سات روزے گھر آ کر مکمل کرے۔

اسلامی قانون سازی میں یُسر کے پہلو کو غالب حیثیت دی گئی ہے۔ اسے ذیل میں ملاحظہ کیجیے۔

واما من امن وعمل صالحاً فلہ جزآء ن الحسنیٰ ج و سنقول لہ من امرنا یسرا . (الکہف/۸۸)

اور جو شخص ایمان لائے گا اور اچھے اعمال اختیار کرے گا تو اس کے لئے بہترین بدلہ ہے، اور ہم اس کے لیے اپنے احکام میں آسان بات کہیں گے۔

قرآن مجید نے ایمان اور عمل صالح اختیار کرنے والوں کے حق میں ''آسان بات'' کہنے کا جو ذکر کیا ہے، اس سے منشائے قرآن، ''اصول تیسیر'' کے حق میں مزید واضح ہو جاتی ہے۔ یہ آیت چونکہ حضرت ذوالقرنین کے تعلق سے آئی ہے۔ حضرت ذوالقرنین، ریاستی یا حکومتی قانون سازی کے لیے ''**وسنقول لہ من امرنا یسرا**'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حکمرانوں اور فاتحین کو آسان قوانین وضع کرنے چاہیں، ایسے قوانین، جو سب کے لیئے باسہولت اور قابل عمل ہوں۔

اب اسی پہلو کو ذیل کی آیت میں دیکھیے۔

وان کان ذو عسرة فنظرة الیٰ میسرة وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون. (البقرہ/۲۸۰)

اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو فراخی تک مہلت دینی چاہیے۔ اور اگر تم خیرات کر دو تو تمہارے لیئے بہتر ہے اگر تم جانو۔

اس حکم میں ''اصول تیسیر'' کی کارفرمائی واضح ہے۔ یعنی مقروض اگر وقت مقررہ پر قرض ادا کرنے کے قابل نہیں تو اسے مہلت دی جانی چاہیے یا پھر معاف کر دینا چاہیے۔ یعنی انہیں جیل بھجوانے کے لیئے قانون سازی نہیں کرنی چاہیے۔

مقروضوں کے ساتھ، اہل ثروت کا معاملہ، شریعت کی نظر میں رعایت وسہولت کا معاملہ ہے۔

اصول وسعت

نفاذ شریعت اور اسلامی قانون سازی میں ''اصول وسعت'' بھی ایک اہم عامل ہے۔ ذیل کی آیات سے یہ اصول واضح ہے۔

والوالدٰت یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعة وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف ط لا تکلف نفس'' الا وسعھا ج (البقرہ/۲۳۳)

مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں۔ یہ حکم اس کے لیے، جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے، اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق بچے کے باپ پر لازم ہے، کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہ دی جائے۔

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا (البقرہ/۲۸۶)

اللہ کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلّف (ذمہ دار) نہیں ٹھہراتا۔

اس آیت کا ترجمہ یوں بھی کیا جا سکتا ہے۔

اللہ انسان پر جو ذمہ داری ڈالتا ہے اس سے اس کی وسعتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن حتیٰ یبلغ اشدہ واوفوا الکیل والمیزان بالقسط ج

لانکلف نفساً الا وسعھا (الانعام/۱۵۲)

اور یتیم کے مال کے قریب مت جانا۔ مگر ایسے طریق سے ، جو بہت ہی پسندیدہ ہو، یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے، اور پیمانے اور ترازو (یعنی ناپ تول) کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو، ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔

والذین اٰمنوا و عملوا الصٰلحٰت لا نکلف نفساً الا وسعھا اولٰیک اصحٰب الجنة ھم فیھا خلدون. (الاعراف/۴۲)

اور جو لوگ ایمان لائے اور لائق قدر اعمال انجام دیتے رہے۔ (الغرض) ہم کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ دار نہیں بناتے۔ یہی لوگ اہل جنت ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ولا نکلف نفساً الا وسعھا ولدینا کتٰب ینطق بالحق وھم لا یظلمون. (المومنون/۶۲)

اور ہم کسی جان کو تکلیف نہیں دیتے۔ مگر اس کی استعداد کے مطابق اور ہمارے پاس نوشتۂ اعمال موجود ہے۔ جو ہر بات سچ سچ بتا دے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

مذکورہ بالا پانچوں، آیتوں میں نفس انسانی کو اس کی وسعت کے مطابق مکلّف کرنے کا بیان مذکور ہوا ہے۔ اور ہر جگہ جداگانہ احکام وحقائق کے ضمن میں ان الفاظ کو دھرایا گیا ہے۔ جسمیں ''اصول وسعت'' کا بیان ہے۔ مثلاً اول الذکر آیت میں نوزائیدہ بچوں کو دو سال تک دودھ پلانے کے حکم کے بعد یہ فرمایا کہ یہ مدت ان لوگوں کے لیے ہے جو اس انتہائی مدت کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں، گویا اس مدت سے قبل بھی انفصال ہوسکتا ہے۔ مگر یہ انفصال، ظاہر ہے کہ انسانی ضرورتوں اور مصلحتوں کے لحاظ سے ہوگا۔

سورۂ انعام کی آیت میں مال یتیم کے قریب، غیر پسندیدہ طریق سے جانے سے روکا گیا ہے، اور ناپ تول میں انصاف کو ملحوظ رکھنے کے حکم کے بعد نفس انسانی کی وسعتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ پھر ان وسعتوں کو ذمہ داریوں سے وابستہ کر دیا گیا ہے۔ مقصود کلام یہ کہ خدا کی طرف سے نازل کردہ احکام کے ذریعے نفس انسانی کے اختیارات میں وسعتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور مباحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔ تاکہ انسان اپنی دنیوی حیات میں زیادہ سے زیادہ منضبط، فعّال، اور متحرک کردار ادا کر سکے۔ گویا خدائی احکام کی پابندیوں سے انسان کے اندر آزادی کی وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ علامہ اقبال کے بقول

می شود از جبر پیدا اختیار

سورۂ اعراف کی آیت کو دیکھیے تو پتہ چلے گا کہ ایمان اور عمل صالح کو متعلق بالوسعت کر کے ہی ان ذمہ داروں کو اصحاب الجنت قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح سورۂ مومنون کی آیت کے مطابق، جو لوگ خدائی احکام کی پابندی سے اپنے اندر ظرف وسعت پیدا کر لیتے ہیں۔ انہیں بتایا گیا ہے کہ آخرت میں خدا کے پاس انسانی اعمال کا توشہ موجود ہوگا جو ہر بات کو کھول کر رکھ دے گا۔ مطلب یہ کہ شرعی ذمہ داریوں کا نبھاؤ انہیں انصاف سے ہم آہنگ کر دے گا۔ واضح رہے کہ شریعت کا اصول وسعت انسان کو اسکی فطری طاقت کے بقدر ذمہ دار بناتا ہے۔

انسانی وسعت کے پیش نظر مسلمانوں کو دیئے گئے بعض احکام کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

روزوں کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا۔

فمن شھد منکم الشھر فلیصمه . (البقرہ/۱۸۴)

پس جو کوئی ماہ رمضان کا چاند دیکھ لے (خواہ بصارت سے، خواہ بصیرت سے) سو وہ اس ماہ کے روزے رکھے۔

پھر فرمایا مریض اور حالت سفری کے لوگ بعد کے دنوں میں یہ گنتی پوری کر لیں اور اس کے بعد فرمایا

و علی الذین یطیقونه فدیۃٌ طعام مسکین. (البقرہ/۱۸۴)

جو لوگ بمشقت تمام روزہ رکھ سکیں تو وہ روزے کے بدلے کسی مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔

یہ ہے علیٰ قدر وسعت، مکلّف ٹھہرانے کی مثال۔ اسے قلت تکلیف کے اصول

کی مثال بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح مناسک حج کے سلسلے میں جہاں حجامت نہ بنوانے کا حکم دیا گیا وہیں اس حکم کے بعد یہ رعایت مذکور ہوئی کہ اگر کوئی مریض ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو وہ اس کے بدلے میں روزے رکھ لے۔ یا کوئی عطیہ دے دے۔ یا کوئی اور عمل خیر کر لے۔ (البقرہ/۱۹۶)

اسی طرح قتل مومن بالخطاء کے فدیہ کے طور پر۔ ایک غلام آزاد کرنے کا حکم ملتا ہے۔ اس کے بعد کہا گیا ہے کہ جسے اسکی استطاعت نہ ہو تو وہ دو ماہ کے روزے رکھ لے۔ (النساء/۹۲) یہ متبادل فدیہ بھی ''اصول وسعت'' کا آئینہ دار ہے۔

لا یواخذکم الله باللغو فی ایمانکم ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان فکفارته اطعام عشرة مسٰکین من اوسط ما تطعمون اهلیکم او کسوتهم او تحریر رقبه فمن لم یجد فصیام ثلٰثة ایام ط ذٰلک کفارة ایمانکم. (المائدہ/۸۹)

اللہ تعالیٰ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرماتا۔ البتہ تمہاری ان قسموں پر ضرور گرفت فرماتا ہے جنہیں تم مضبوط کر لیتے ہو، تو اس کا یہ کفارہ ہے، دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا، جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا انہیں کپڑے دینا یا کسی غلام و باندی کو آزاد کرانا، پھر جسے یہ میسر نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہوگا۔

اس حکم میں اللہ تعالیٰ نے کئی آپشنز رکھے ہیں۔ جسمیں، انسان کی سہولت او رمعاشرے کی ضرورت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ خدائی شریعت کا اصول وسعت، اس حکم میں بہت واضح ہے۔

اسی طرح یہ آیت بھی دیکھیے

والذین یظٰهرون من نسائهم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة من قبل ان یتمآسا ط (المجادلہ/۳)

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھتے ہیں۔ پھر اپنے کہے سے پلٹنا چاہتے ہیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ ایک گردن چھڑائیں۔ قبل اس کے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں۔

پھر جسے یہ سہولت میسر نہ ہو تو وہ

فصیام شهرین متتابعین من قبل ان یتمآسا ٔ فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا ط (المجادلہ/۴)

دو ماہ کے متواتر روزے رکھے۔ قبل اس کے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، پھر جو شخص اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

اس جگہ بھی علیٰ قدر وسعت کئی آپشنز رکھے گئے ہیں۔ ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ نفاذ شریعت میں اصول وسعت کو خصوصیت کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے فرائض نبوت میں جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ معروفات کا حکم دیتے اور منکرات سے روکتے ہیں۔ طیب کو حلال اور خبیث کو حرام کرتے ہیں۔ وہیں یہ بھی بتایا گیا ہے۔

ویضع عنهم اصرهم والاغلٰل التی کانت علیهم ط (الاعراف/۱۵۷)

اور ان سے ان کے وہ بوجھ بھی اتارتے ہیں اور وہ طوق بھی جن میں وہ (جہالت کے سبب) جکڑے ہوئے تھے۔

مطلب یہ کہ ان کے وہ ''آصار واغلال'' ایسی ناجائز پابندیاں تھیں۔ جن میں انہوں نے شریعت کا علم نہ ہونے کے سبب خود کو جکڑ رکھا تھا۔ خود ساختہ ناروا پابندیاں عائد کرنا اور خود کو مباحات سے دور رکھنا۔ خدا کو پسند نہیں۔ اسی لیے کارِ نبوت میں اس امر کو بھی داخل کر دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کو ان ''بدعات'' سے نکالیں۔ اور انہیں خدا کی دی ہوئی وسعتوں میں ذمہ دارانہ حیثیت میں آزاد کر دیں۔ گویا شریعت کے مطلوبات میں یہ ''آزادی'' بھی شامل ہے۔ اور یہ آزادی ''اصول وسعت'' کے تحت انسانوں کو عطا کی گئی ہے۔

سورۂ طلاق کی آیت نمبر ۶-۷ اسی تناظر میں دیکھیے۔

تم اپنی مطلقات کو اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو، جہاں تم رہتے ہو، اور انہیں (کسی بھی طرح) تنگ کرنے کے لیے کوئی تکلیف نہ دو اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرتے رہو۔ یہاں تک کہ وہ بچہ جن لیں پھر اگر وہ تمہارے کہنے پر بچے کو دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اجرت دے دو اور آپس میں پسندیدہ طور پر مشورہ کر لیا کرو اور اگر تم (رضاعت میں) ایک دوسرے سے تنگی محسوس کرو تو اسے (اب کوئی) دوسری عورت دودھ پلائے گی۔ وسعت والے کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور جس کی آمدنی کم ہو تو وہ اسی روزی میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ کسی شخص پر کچھ لازم نہیں کرتا۔ مگر اسی قدر جتنا کہ اس نے عطا کر رکھا ہے۔ اللہ عنقریب تنگی کے بعد آسانی مہیا کر دے گا۔

ان احکام میں جو سہولت، نرمی اور آسانی رکھی گئی ہے اسے ملحوظ خاطر رکھا جائے تو بصورت تنفیذ بھی شریعت کی آسانی پر استدلال واضح ہے۔ نیز نو پیدا مسائل کے حل میں بھی بصورت اجتہاد، ''اصول وسعت'' کی فراہم کردہ آسانی، لوگوں کو باسہولت کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

اصول عدم حرج

شریعت کا ایک قرآنی اصول ''عدم حرج'' بھی ہے۔ اور اس اصول کی سند یہ ہے۔

ما یرید الله لیجعل علیکم من حرج (المائدہ/۶)

اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے

استنباطِ احکام اور تخریج مسائل میں بہت سے موقعوں پر اس اصول سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اس مقام پر یہ اصول قرآن کے جس سلسلہ احکام میں وارد ہوا ہے۔ ان کا تعلق، وضو، غسل، اور تیمّم کے مسائل سے ہے۔

اسی طرح

ما جعل علیکم فی الدین من حرج (حج/۷۸)

تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی گئی

علمائے تفسیر نے اس مقام پر ''اصول عدم حرج'' سے متعدد مباحث پیش کیئے ہیں۔ مثلاً قصر صلوٰۃ کی بحث۔ مریض ومسافر کے لیے روزے کی رخصت۔ بیمار کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا اور اندھے، لنگڑے اور مریض پر جہاد فرض نہ ہونے کی بحث وغیرہ۔ غرض یہ اصول ہمہ اقسام کی تنگیوں کو مبدل بہ فراخی وکشادگی کرنے سے عبارت ہے۔

سورۂ احزاب کے ایک مقام پر منہ بولے بیٹوں کی مطلقات سے نکاح کرنے کو عہد جاہلیت کا ''حرج'' قرار دے کر، مومنوں کو اسی تنگی اور دشواری سے نکالا گیا ہے۔

لکی لا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیائھم اذا قضوا منھن وطرا (الاحزاب/٣٧)

تا کہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے۔ جب وہ انہیں (بصورت طلاق) علیحدہ کردیں۔

واضح ہو کہ اس حرج سے نکالنے کے لیئے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نبی ﷺ کو منتخب فرمایا تا کہ ''عدم الحرج'' کا قرآنی اصول، خود اس کے نبی ﷺ کے نمونہ عمل سے مجسم ومفسر ہو سکے۔

ما کان علی النبی من حرج فیما فرض اللہ لہ. (الاحزاب/٣٨)

نبی پر اس امر میں کوئی حرج نہیں، جو اللہ نے اسکے لیے مقرر کیا ہے۔

الغرض، نفاذ شریعت اور قانون سازی میں ''اصول عدم حرج'' بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

اصول تخفیف

اصول تخفیف بھی نفاذ شریعت اور قانون سازی میں بنیادی قدر کا حامل ہے۔ ذیل کی آیت میں اس حقیقت کو واشگاف کیا گیا ہے۔

یرید اللہ ان یخفف عنکم. وخلق الانسان ضعیفا. (النساء/٢٨)

اللہ چاہتا ہے کہ تم سے (بوجھ) ہلکا کردے اور انسان کمزور پیدا ہوا ہے۔

شریعت سازی چونکہ انسان کی استطاعت سے باہر تھی کیونکہ کہ انسان اس امر میں کمزور پیدا ہوا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے ذمہ لے لیا۔ اور انسانوں پر شریعت سازی کا کوئی بوجھ نہیں رہنے دیا۔ یہاں انسانوں پر جس بوجھ کے ہلکا کرنے کا ذکر ہے۔ یہ وہی شریعت کا بوجھ ہے۔ مگر واضح رہے کہ انسان، خدا کی شریعت کو بطور اصل کے مان کر، اس کے گہرے مطالعہ کی روشنی میں اجتہادی اصول وضع کرنے کی صلاحیت ضرور رکھتا ہے۔ خدا نے (اپنے احکام کی صورت میں) انسانوں پر اتنا ہی بوجھ ڈالا ہے۔ جتنے کی ان میں سکت اور ہمت پیدا کی ہے۔ انسانوں پر ان کی استطاعت سے زیادہ بوجھ ڈالنا، چونکہ خلاف مشیت تھا۔ اس لیئے اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ ضعف انسانی کے پیش نظر تخفیف کے اصول کو مستقل قدر کے طور پر قائم فرمادیا۔ پس اجتہادی عمل میں اس اصول کو ملحوظ رکھا جائے گا اور آسان احکام وضع کیئے جائیں گے۔

یایھا الذین امنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ ؕ الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ ؕ فمن عفی لہ من اخیہ شیٔ فاتباع بالمعروف واداۤءٌ الیہ باحسان ؕ ذلک تخفیف من ربکم ورحمہ ؕ (البقرہ/١٧٨)

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر مقتولوں کے بارے میں قصاص مقرر کیا گیا ہے۔ (قاتل) آزاد ہو تو آزاد (ہی مارا جائے) اور غلام ہو تو غلام اور عورت ہو تو عورت۔ مگر جس کو اپنے بھائی کی طرف سے کچھ معافی مل جائے تو معاشرے کے عرف کے مطابق عمل کیا جائے اور ادائیگی میں عمدگی یا طلب سے بڑھ کر دینے کا معاملہ کیا جائے، اس قانون میں تمہارے رب کی طرف سے سہولت اور ہمدردی کا پہلو رکھا گیا ہے۔

آیت مذکورہ میں قانون قصاص میں ''اصول تخفیف'' کو انسانی ضرورت ومصلحت کے پہلو سے اختیار کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ قتل جیسے بھیانک اور ہولناک جرم میں بھی جہاں بدلہ کی بات کی گئی ہے۔ وہیں مقتول کے ورثاء کی طرف سے معاف کرنے کا آپشن بھی رکھا گیا ہے۔ نفاذ شریعت میں یہ اصول، متعدد جگہوں پر انسانی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا نظر آئے گا۔

یایھا النبی حرض المومنین علی القتال ؕ .... الئن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا. (الانفال/٦٥)

اے نبی! مومنوں کو جنگ پر آمادہ کیجئے (اور انہیں بتایئے کہ) اگر تم میں سے بیس ڈٹ جانے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے۔ اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں گے تو وہ ہزار کافروں پر غالب آئیں گے۔ ایسا اس لئے ہوگا کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو فقاہت سے خالی ہیں۔ اس وقت اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کردیا اور اس نے ظاہر کردیا ہے کہ تم میں کمزوری ہے۔ پس اس حالت میں بھی، اگر تم میں ایک سو ڈٹ جانے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے۔ اور اللہ پامردی سے مقابلہ کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

یہاں بھی حکم قتال کے ساتھ ''اصول تخفیف'' کارفرما ہے۔ جسے مسلمانوں کی ایمانی ومادی کمزوری کے پیش نظر واضح کیا گیا ہے۔ یہ اصول ہر اس جگہ کارفرما ہو گا۔ جہاں مسلمانوں کے حالات، اس کے متقاضی ہوں گے۔ شارع نے یہ اصول دے کر سمجھا دیا ہے کہ قتال جیسے اہم معاملہ میں بھی، جس طرح اصول تخفیف کے تحت وہ کسی رعایت کے مستحق قرار پاتے ہیں، وہیں دیگر معاملات

میں بھی اسی اصول کے تحت مستحق رعایت ہو سکتے ہیں۔غرض نفاذ شریعت میں یہ اصول بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

اسی طرح یہ آیت بھی دیکھیئے

لایواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم ط (البقرہ/۲۲۵)

اللہ تمہیں ایسی قسموں پر نہیں پکڑے گا جو بلا ارادہ اور فضول ہوتی ہیں۔البتہ ایسی قسموں پر ضرور گرفت کرے گا جو تم دل سے کھاتے ہو۔

لغو سے مراد ایسا کلام ہے جو بغیر سوچے سمجھے منہ سے نکالا جائے ایسے کلاموں پر اللہ نے پیشگی معافی کا اظہار کر دیا ہے۔ جو ’’اصول تخفیف‘‘ کے تحت سمجھا جا سکتا ہے۔خدا کی شریعت میں اس طرح کی رعایات، انسانی کمزوریوں کے پیش نظر رکھی گئی ہیں۔ نفاذ شریعت میں یہ اصول ہمارے بھی پیش نگاہ رہنا چاہیے۔ اصول تخفیف کی کارفرمائی درج ذیل آیت میں بھی ملاحظہ کیجئے۔

لیس علیکم جناح فیما اخطأ تم بہ ولکن ما تعمدت قلوبکم (الاحزاب/۵)

اور اس باب میں تم پر کوئی گناہ نہیں جو تم سے خطا ہو جائے لیکن (وہ گناہ ضرور ہے) جو تمہارے دل سوچ سمجھ کریں۔

اس اصول کو ہم اپنی عائلی زندگی میں اپنا کر، بہت سی غلطیوں یا غلط فیصلوں سے بچ سکتے ہیں۔مثلاً طلاق کے الفاظ جو بغیر قصد دلی کے۔۔۔ منہوں سے نکل جاتے ہیں۔وہ ’’طلاق واقعی‘‘ پر محمول نہ کیئے جائیں۔وغیرہ

اصول تلفیق

یہ وہ اصول ہے جو ہمیں قرآن مجید سے ہر آن منسلک رکھتا ہے۔ کیونکہ مسائل اجتہاد میں جو فقہی مکاتب چل پڑے ہیں وہ سب کے سب متسخرج من القران والسنہ ہونے کے دعویدار ہیں۔اور بر بنائے دعویٰ وہ تمام کے تمام ملت اسلامیہ کا مشترک سرمایہ ہیں۔ ہمارے نزدیک بغیر تفریق مکتب کے اس پورے فقہی سرمائے سے استفادہ کرنا ہی اصول تلفیق ہے۔اس وضاحت کے ساتھ کہ اصل اتباع قرآن کریم کی مقصود ہو۔۔ کیونکہ قرآن تمام کتب ماسبق ’’پر مھیمن‘‘ بنایا گیا ہے۔یہ کیسے ممکن ہے کہ جو کتاب گذشتہ کتابوں پر نگران ہو۔(یعنی ان کے قبول ورد کا واحد معیار) وہ اپنے مابعد کتابوں کی نگران نہ ہو؟ پس قرآن کی اس خصوصیت کا لازمی تقاضا ہے کہ مسلمانان عالم اپنے پورے فقہی ذخیرے کے قبول ورد کا واحد معیار اور میزان اسی کتاب کو بنائیں اور چونکہ قرآن کی ایک خصوصیت اس کا ’’فرقان‘‘ ہونا بھی ہے۔جس کا صاف اور صریح مطلب یہی ہے کہ وہ کھرے، کھوٹے اور صحیح، غلط کے مابین خط امتیاز کھینچ دے۔

پس اصول تلفیق سے استفادہ، قرآن کی ان ہر دو خصوصیات کی روشنی میں کیا جائے گا۔ یہاں توضیح مزید کے لئے مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے دو مختصر اقتباسات یقیناً بے محل نہ ہوں گے۔

’’صحیح اصول یہ ہے کہ مختلف مسائل میں جس کا اجتہاد بھی ہمیں کتاب وسنت کے زیادہ موافق اور حالات اور مصالح سے زیادہ ہم آہنگ نظر آئے۔ہمیں وہ اختیار کر لینا چاہیے۔خواہ وہ کسی امام کی طرف بھی منسوب ہو، معقولیت کا تقاضا بھی یہی ہے اور اسلام نے ہمیں تاکید اسی چیز کی کی ہے۔

اجتہادی معاملات میں اسلام نے ہمیں امام ابوحنیفہ یا امام شافعی کی پیروی کی ہدایت نہیں کی ہے بلکہ اس اجتہاد کی پیروی کی ہدایت کی ہے جو کتاب وسنت سے زیادہ موافقت رکھنے والا نظر آئے۔اس چیز کی تاکید ان بزرگ آئمہ نے بھی فرمائی ہے۔اگر ہم تدوین قانون کے معاملہ میں یہ روش اختیار کریں گے تو اس سے کئی نہایت واضح فائدے ہوں گے۔‘‘ ۱

’’اسلام نے اجتہادی مسائل میں ہم کو کسی متعین فقہ کی تقلید کی بجائے اوفق بالکتاب والسنہ کی پیروی کا حکم دیا ہے۔اور یہ چیز صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم کسی متعین فقہ کی تقلید کے بجائے ہر امر میں یہ دیکھنے کی کوشش کریں کہ اس کے بارے میں فقہاء و مجتہدین کے جو اقوال منقول ہیں۔ان میں سے کتاب وسنت سے قریب تر قول کون سا ہے؟‘‘ ۲

مذکورہ بالا جن آٹھ اصولوں پر ہم نے اپنی گزارشات پیش کی ہیں۔

ان میں سے بعض اصول جداگانہ نوعیت کے ہیں۔گویا تفرد کے حامل ہیں۔اور بعض ایک دوسرے کے مترادف لگتے ہیں۔جیسے ایک دوسرے کی تفسیر ہوں۔ اس لیے کہ ان کا منشاء و مقصد بھی ایک ہی ہے مگر ہم نے قرآنی الفاظ کی رعایت میں انہیں الگ سے نمایاں کیا ہے۔ بہرحال یہ تکرار معنویت سے خالی نہیں ہے۔دوسرے یہ کہ بعض اصولوں کے تحت کم مثالیں دی گئیں ہیں اور بعض کے تحت زیادہ۔اس کمی و زیادتی سے نفس مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ ہمارا مقصود اصول واضح کرنا تھا اور بس۔البتہ ان اصولوں میں مزید اصولوں کا اضافہ ضرور ممکن ہے۔

حوالہ جات

۱۔ امین احسن اصلاحی، جدید اسلامی ریاست میں قانون سازی اور مسائل، لاہور، دارالتذکیر، ۲۰۰۵ء، ص ۹۴

۲۔ امین احسن اصلاحی، اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل، لاہور، فاران فاؤنڈیشن، ۱۹۹۱ء، ص ۱۱۷